عظیم الشان روحانی گیٹ سے گزرنے والا احمدیت کا خوش نصیب قافلہ

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰؍مارچ ۱۹۸۹ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات تلاوت کیں:

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞

(آل عمران: ۷۷-۷۸)

۲۳؍مارچ ۱۹۸۹ء یعنی اسی سال کو جماعت احمدیہ انشاء اللہ اگلی صدی میں یعنی جماعت احمدیہ کے قیام کی اگلی صدی میں داخل ہو چکی ہوگی اور آج کے جمعہ اور اُس دن کے درمیان اب صرف ایک اور جمعہ باقی ہے۔ جوں جوں یہ وقت قریب آرہا ہے ہر احمدی کا دل پہلے سے زیادہ جذبات اور احساسات کے ساتھ دھڑک رہا ہے۔ کئی قسم کے خیالات دلوں میں پیدا ہو رہے ہیں، کئی قسم کی سوچیں اُبھر رہی ہیں، کئی قسم کے امتحانات ہیں جو سب احمدی اپنے اپنے رنگ میں خود اپنے لے رہے ہیں اور محسوس ہو رہا ہے کہ ایک بہت ہی اہم وقت آنے والا ہے۔ تصوراتی رنگ میں بعض دفعہ انسان ایسے مناظر کو یوں بھی سوچتا ہے کہ جیسے کوئی بہت بڑا گیٹ لگا ہو جس میں سے ایک عظیم الشان

قافلہ گزرنے والا ہو۔ وقت کا ویسے تو کوئی گیٹ نہیں ہوا کرتا لیکن تصور میں انسان اپنے روزمرہ کے تجربوں سے انہی اصطلاحوں میں سوچ لیتا ہے۔ تو مجھے بھی اس طرح سوچتے ہوئے یہ محسوس ہوا کہ جیسے بہت ہی عظیم الشان گیٹ ہے جس میں سے احمدیت کا یہ عظیم قافلہ گزرنے والا ہے اور یہ اب چند قدم کے فاصلے پر رہ گیا ہے۔ اس اہم موقع پر جس طرح احمدی اپنے آپ کو سجانے کی کوشش کر رہے ہیں اس بات کے متعلق مجھے ہر طرف سے خط آ رہے ہیں اور دنیا کے ہر ملک سے خط آ رہے ہیں۔ کسی نے کوئی عہد باندھا ہے، کسی نے کوئی، کسی نے بعض اپنی برائیاں دور کرنے کا فیصلہ کیا ہے، کسی نے بعض خوبیاں اپنانے کا فیصلہ کیا ہے غرضیکہ ہر ایک اپنے اپنے رنگ میں، اپنے اپنے حالات کے مطابق سجاوٹ کی کوشش کر رہا ہے۔

اس پر میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ جب دنیا میں عظیم الشان بادشاہ بعض عظیم الشان بادشاہوں کے مہمان بنتے ہیں تو سارے ملک میں ایک ہیجان برپا ہو جاتا ہے اور بہت بڑے بڑے گیٹ لگائے جاتے ہیں اُن بادشاہوں کے استقبال کے لئے اور جو لوگ اُن بادشاہوں کے ساتھ داخل ہوتے ہیں وہ بھی بن سج کر داخل ہوتے ہیں اور وہ گیٹ بھی بڑے خوبصورت اور بڑے عظیم الشان ہوتے ہیں جو اُن بادشاہوں کے استقبال کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ پھر اسی طرح چھوٹے پیمانے پر جب کوئی بڑا مہمان کسی شہر میں داخل ہو تو شہروں کے سامنے بھی گیٹ لگائے جاتے ہیں اور اُن کو سجایا جاتا ہے اور داخل ہونے والے بھی جہاں تک توفیق پاتے ہیں بن سج کر ہی اُن گیٹوں سے گزرتے ہیں۔ پھر باراتی ہیں خواہ وہ غریب کے گھر آئیں، خواہ وہ امیر کے گھر آئیں اُن کا بھی اسی طرح استقبال کیا جاتا ہے۔ امیر آدمی زیادہ قیمتی، زیادہ بڑے، زیادہ بجلی کے قمقموں سے روشن گیٹ لگا لیتے ہیں اور غریب آدمی اگر اور کچھ میسر نہیں تو ایک کیلے کا تنا کاٹ کر یا مانگ کر اُسی سے اپنے گیٹ بنا لیا کرتے ہیں اور اسی طرح باراتوں کا حال ہے۔ امیروں کی باراتیں زیادہ سج کے گزرتی ہیں اور غرباء کی باراتیں نسبتاً کم سج کے گزرتی ہیں لیکن سجاوٹ کا تصور گیٹوں میں داخل ہونے کے ساتھ اس طرح منسلک ہے کہ ایک تصور سے دوسرا تصور خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ جماعت احمدیہ جس گیٹ میں داخل ہونے والی ہے وہاں تو ابھی ہماری پہنچ ہی نہیں ہے، وقت کے لحاظ سے بھی ہماری پہنچ نہیں اور اس لحاظ سے بھی کہ وہ ایک تصوراتی گیٹ ہے ہم آگے بڑھ کر اُسے سجا نہیں سکتے اگر وقت

سے پہلے پہنچ کر خود اپنے استقبال کی تیاری کی کوشش کریں تب بھی ہمیں علم نہیں، ہماری استطاعت نہیں ہے کہ اس تصوراتی اور نظریاتی گیٹ کو کیسے سجائیں گے؟ اس موضوع پر غور کرتے ہوئے قرآن کریم کی ایک آیت میرے ذہن میں آئی جس میں خدا تعالیٰ نے اسی قسم کا ایک نقشہ کھینچا ہوا ہے۔ جہاں فرمایا کہ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ (الاعراف:۳۲) کہ اے مومنو! تم ہر مسجد میں اپنی زینت خود ساتھ لے کر جایا کرو اور جہاں تک مسجدوں کا تعلق ہے قرآن کریم میں کوئی آیت بھی ایسی نظر نہیں آتی جس میں مسجدوں کے سجانے کا ذکر ہو۔ اُن کے پاک اور صاف رکھنے کا تو ذکر ہے لیکن اُن کے سجانے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ تو بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ان دونوں باتوں میں توازن نہیں ہے کہ مہمان تو تم ہو خدا کے گھر آ رہے ہو لیکن زینتیں اپنی ساتھ لے کے آنا اور یہی تمہارا استقبال ہوگا اور یہی تمہاری سجاوٹ ہوگی۔ پھر جب میں نے مزید اس مسئلہ پر غور کیا تو قرآن کریم کی اس آیت کے نتیجے میں یہ گتھی سلجھی اور مجھ پر حقیقت روشن ہوئی کہ قرآن کریم ہمیں کیا پیغام دینا چاہتا ہے؟ مسجدوں کا ایک ظاہر ہے وہ ظاہر اگر سجایا جائے تو ہر کس و ناکس کے لئے برابر سجاوٹ ہوگی۔ ایک بدکار آدمی بھی مسجد میں داخل ہوتا ہے اور ایک پاکباز آدمی بھی داخل ہوتا ہے۔ ایک ایسا انسان بھی داخل ہوتا ہے جس نے اپنے اعمال صالحہ کے ساتھ بداعمالیوں کو بھی شامل کیا ہوا ہے اور ایک ایسا بھی داخل ہوتا ہے جو خدا کی نظر میں صالح ٹھہرتا ہے۔ پھر ایک شہید بھی ایسی مسجد میں داخل ہوتا ہے، ایک صدیق بھی ایسی مسجد میں داخل ہوتا ہے اور بسا اوقات ایک نبی بھی ایسی مسجد میں داخل ہو رہا ہوتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے ظاہری سجاوٹ کو استقبال کی نشانی بنایا ہوتا تو وہ ظاہری سجاوٹ تو ہر کس و ناکس کے لئے، ہر بڑے اور چھوٹے کے لئے، ہر متقی اور غیر متقی کے لئے ایک قدر مشترک بن جاتی۔ گویا سب کا ایک ہی طرح استقبال ہو رہا ہے۔ انسان کو تو مجبوری ہے وہ تو فرق نہیں کر سکتا وہ تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ بارات میں صرف دو یا ایک اس گیٹ سے داخل ہو اور باقی سب لوگ حسب مراتب نسبتاً چھوٹے چھوٹے گیٹوں سے داخل ہوں اور جو بیچارے ساتھ ملازم ہیں اُن کے لئے گندے، جھونپڑیوں کے، تنکوں کے گیٹ بنائے جائیں ایسا تو کوئی نہیں کر سکتا انسان نہ ایسی بات انسان کو زیب دیتی ہے لیکن خدا تعالیٰ یہ فرق کرنا چاہتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ سمجھایا کہ یہ تصوراتی اور نظریاتی گیٹ اور یہ سجاوٹیں جو مسجدوں میں لگائی جاتی ہیں یہ تمہارے بس سے باہر ہیں تمہارے

اختیار میں نہیں ہے کہ تم ایسی سجاوٹیں کر سکو اور اگر کرو گے تو پھر تم سب برابر کے اس میں شریک ہو جاؤ گے اس لئے تم مہمان ہو اور میں تمہارا میزبان ہوں۔ میرا گھر ہے جس میں تم آ رہے ہو اس لئے میں ہر ایک سے حسب مراتب کے مطابق سلوک کروں گا۔ تمہاری زینتوں کو دیکھا جائے گا کہ تمہاری کتنی قدر ہونی چاہئے اس مسجد میں۔ تم اپنی قیمت خود بڑھانے والے ہو گے اور جتنی اپنی قیمت اُونچی کرتے چلے جاؤ گے اتنا ہی اس میزبان کو زیادہ قدردان پاؤ گے۔ اُس وقت مجھے سمجھ آئی کہ کیوں ایک ہی مسجد میں جو بظاہر گھاس پھوس کی مسجد تھی یعنی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی مسجد۔ اس میں کوئی سجاوٹ نہیں تھی۔ بارش ہوتی تھی تو چھت ٹپکتی تھی اور بسا اوقات سجدوں میں زمین کو چھونے والی پیشانیاں کیچڑ سے بھر جایا کرتی تھیں۔ (صحیح ابن حبان کتاب الصوم حدیث نمبر: ۳۶۸۵) اس مسجد میں بھی زینت کا ایک روحانی انتظام موجود تھا اور ہر شخص کی زینت کے مطابق اس سے سلوک ہو رہا تھا۔ اس مسجد میں بارات کے دولہا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ تھے اور پھر آپ کے درجہ بدرجہ آپ کے مطابق میں صدیق بھی تھے، شہید بھی تھے، صالح بھی تھے۔ گویا وہ ایک عظیم الشان بارات تھی جس کا ہر پانچ مرتبہ روزانہ مسجد میں فرشتے استقبال کیا کرتے تھے اُن کے لئے زینتیں سجائی جایا کرتی تھیں۔ وہ خدا کا کام تھا اور وہ نظر آنے والی زینتیں نہیں تھیں۔ پس یہ گیٹ یعنی صدی کا گیٹ اس میں جب ہم داخل ہو رہے ہیں تو اگرچہ ہم اپنے سامنے کسی سجے ہوئے گیٹ کو نہیں دیکھ رہے، ہم میں سے ہر ایک خود اپنے آپ کو سجانے میں مصروف ہے لیکن اُس تصوراتی گیٹ میں جس رنگ میں داخل ہو گا اُس کو اپنے ماحول میں گردوپیش کوئی ایسی خوبصورت سجاوٹ کی عمارت یا گیٹ دکھائی نہیں دیں گے جس سے اُس کو محسوس ہو کہ گویا میری خاطر یہ سب کچھ کیا گیا ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جو پانچ وقت آپ کی سجاوٹ کے مطابق آپ کے ساتھ زینت کا سلوک فرماتا ہے، حسن و احسان کا جلوہ دکھاتا ہے اور ہر نمازی کو اس کے تقویٰ کے مطابق ہر مسجد میں جب وہ داخل ہوتا ہے عزت دی جاتی ہے۔ اسی کا نام مراتب کا درجہ بدرجہ بڑھنا ہے۔ اسی طرح اب جب اس گیٹ میں ہم داخل ہونے والے ہیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جماعت میں سے ہر فرد بشر پر خدا کی نظر ہو گی۔ اس کے ساتھ یقیناً عزت کا سلوک کیا جائے گا۔ یقیناً اس کے ساتھ احترام کا سلوک کیا جائے گا۔ خدا کے فرشتے اس کے احترام کے لئے حاضر ہوں گے اور وہ خدا کی نمائندگی کریں گے لیکن کس کو کتنا احترام ملنا ہے، کس کی

کیسے عزت افزائی کی جائے گی، کس سے کتنا پیار کا سلوک ہوگا اس کا فیصلہ ہم میں سے ہر ایک کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ پس جتنے دن باقی رہ گئے ہیں ان دنوں کو دعاؤں کے ساتھ تقویٰ کے ساتھ بسر کرنے کی کوشش کریں اور خوب غور کریں کہ کونسی ایسی بدیاں ہیں جو ابھی تک آپ جھاڑ نہیں سکے، جو ابھی تک بلائیں بن کر آپ کے ساتھ چمٹی ہوئی ہیں اور کون سی ایسی خوبیاں ہیں جو آپ کی پہنچ میں موجود ہونے کے باوجود آپ سے دور ہیں آپ ہاتھ اُن کی طرف بڑھاتے نہیں ہیں۔ ہر نیکی ہر انسان کی پہنچ میں ہے ورنہ ان نیکیوں کو ہم پر لازم نہ کیا جاتا اور جب میں کہتا ہوں کہ آپ کی پہنچ میں ہے تو مراد یہ ہے کہ آپ کی تخلیق میں خدا تعالیٰ نے یہ بات ودیعت فرما دی ہے کہ آپ اُن سب نیکیوں کو حاصل کر لیں جن کا قرآن کریم ذکر فرماتا ہے اور جو ہمیں سنت میں ملتی ہیں۔ درجہ بدرجہ کس حد تک ہم اس نیکی کو حاصل کر سکیں گے؟ اس کا بھی ہماری خلقت سے ایک تعلق ہے اور اپنی استعدادوں سے باہر نکل کر ہم اپنی نیکیوں کو بڑھا نہیں سکتے لیکن استعدادوں تک پہنچنا ہم پر فرض فرمایا گیا ہے۔ ہم اس بات کے مکلّف کئے گئے ہیں کہ ہمیشہ کوشش کرتے رہیں کہ نیکیوں کے حصول میں اپنی استعدادوں کی آخری حدیں چھو دیں۔ یہی ہماری تکمیل ہے ورنہ خدا کے سوا اور کوئی انسان کبھی کامل بن ہی نہیں سکتا۔

پس اس پہلو سے جو تھوڑا وقت رہ گیا ہے اس میں مزید غور کریں، فکر کریں، اپنی فکر کریں، اپنے اہل و عیال کی فکر کریں، اپنے بچوں کی فکر کریں، اپنے دوستوں کی فکر کریں اور محبت اور پیار کے ساتھ اُن کو بھی سجانے کی کوشش کریں اور ان کی گندگیاں بھی دور کرنے کی کوشش کریں۔ یہ دو مضمون ہیں جن کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ انسان کلیۃً پاک وصاف ہو جائے اور سب بدیوں کو چھوڑ دے تب ہی اس میں سجاوٹ پیدا ہوگی۔ ہمارے ہاں پنجاب میں تو بعض غریب قوموں میں یہ بھی رواج ہے کہ شادی پر جاتی ہیں عورتیں تو پرانی شلوار اور نیا دوپٹہ پہنا ہوا یا نئی قمیض پہنی ہوئی اور اُس پر پھٹی پرانی شلوار یا کوئی اور جسم کا کپڑا ایک نیا ہو گیا ایک پرانا ہو گیا اور اُن کو یہ عجیب نہیں لگتا۔ اس لئے عجیب نہیں لگتا کہ وہ جانتی ہیں کہ ہماری توفیق میں اس سے زیادہ ہے نہیں۔ اگر ہم میں ایک نئے دوپٹے کی توفیق ہے تو یہی ہماری سجاوٹ ہے۔ پس اس توفیق کو مذہب میں بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ بندے سے ایسی زیادتی نہیں کرتا کہ اگر اُس میں کسی خاص لمحے میں یہ توفیق

نہیں ہے کہ وہ کامل طور پر پاک وصاف ہو کر پھر خوبیوں کو اختیار کرے تو اُس کو کلیۃً رد فرما دے۔ تبھی قرآن کریم میں واضح طور پر یہ فرمایا گیا کہ بعض خدا کے ایسے بندے بھی ہیں جنہوں نے نیک اعمال کو بد اعمال کے ساتھ اکٹھا کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے چاہے تو ان کو معاف فرما دے چاہے تو ان کا مواخذہ کرے لیکن بحیثیت مجموعی ان کو رد نہیں کیا جائے گا۔ پھر خدا تعالیٰ یہ دیکھے گا کہ کس نے کس بدی کو توفیق پانے کے باوجود ترک نہیں کیا تھا، کس نے کس نیکی کو توفیق پانے کے باوجود اختیار نہیں کیا تھا اور یہ مضمون اتنا باریک ہے اور اتنا تہہ بہ تہہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نظر اس مضمون کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی مگر ہوگا اسی قسم کا واقعہ جس قسم کا قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے کہ کچھ ایسے لوگ بھی جن کے اعمال سئیہ اعمال صالحہ کے ساتھ مل جل گئے ہیں وہ بھی یقیناً خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بخشے جائیں گے اور ان کو بھی اعزاز کے ساتھ جنت کے دروازوں میں قبول کیا جائے گا۔ پس یہ جو گیٹ ہمارے سامنے سج رہا ہے یعنی یہ تصوراتی گیٹ یہ ایسا تصوراتی بھی نہیں جیسا کہ ہم اپنے اظہار خیال کے معاملے میں مجبوراً اس کو تصوراتی کہتے ہیں اور کوئی لفظ ہمیں ملتا نہیں مگر ایسا تصوراتی بھی نہیں یقیناً یہ ایک ایسا روحانی گیٹ ہے جس میں خدا اور اس کے فرشتے ہمارے منتظر ہیں اور نئی صدی میں داخل ہونے والا یہ قافلہ ایک خاص نظر سے دیکھا جائے گا اور ہم میں سے ہر ایک سے اس کی حیثیت اور اس کی توفیق کے مطابق اعزاز کا سلوک کیا جائے گا۔ خدا نہ کرے کہ کچھ ایسے بھی ہوں جو اس دروازے پر رد کر دیئے جائیں۔ بظاہر وہ وقت کے لحاظ سے تو آگے گزر جائیں لیکن اس گیٹ میں سے گزرنے کی ان کو اجازت نہ ملے۔ ایسا دنیا میں بھی ہوا کرتا ہے کہ وقت کے لحاظ سے جب زمین کے لحاظ سے ایک آدمی آگے گزر جاتا ہے لیکن جو گیٹ مقرر ہے اس سے اس کو نکلنے کی اجازت نہیں ملتی۔ کھیلوں میں بھی ایسا ہوتا ہے گول کی جگہ مقرر ہے فٹ بال ہزار مرتبہ دائیں اور بائیں سے آگے نکل جائے اس کے کوئی بھی معنی نہیں۔ وہی فٹ بال عزت کا مقام پاتا ہے اور ایک گول کے طور پر لکھا جاتا ہے اس وقت کہ اس فٹ بال کے ذریعے گول ہو گیا جو گیٹوں کے بیچ سے گزرتا ہے۔ تو خدا نہ کرے کہ ایسا ہو ہم میں سے بہت سے بدقسمت ایسے بھی ہوں جو وقت کے لحاظ سے تو آگے نکل جائیں لیکن خدا کے فرشتے اس کو یا اُن کو اس گیٹ سے نہ گزرنے دیں جو خاص طور پر روحانی لحاظ سے اس موقع پر سجایا گیا ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہر احمدی کوشش کرے گا تو یقیناً اس کے ساتھ حسن و احسان

کا سلوک کیا جائے گا، عفو کا سلوک کیا جائے گا، مغفرت کا سلوک کیا جائے گا لیکن یہ عہد ضروری ہے کہ میں اپنے آپ کو پہلے سے بہتر بنانے کی کوشش کروں گا اور یہ عہد خاص طور پر اس لئے ضروری ہے کہ ہم اگلی صدی کے سر پر کھڑے ہونے والے ہیں اور آئندہ آنے والی ساری صدی کی جو مسافت پھیلی پڑی ہے اس پر آپ لوگ اثر انداز ہوں گے۔ ایک سو سال گویا کہ آپ کو بادشاہی عطا کی گئی ہے۔ آپ کی نسلوں نے اگلی صدی میں اسلام کی عظیم الشان خدمتیں کرنی ہیں یا بعض لوگوں نے ان خدمتوں سے محروم رہ جانا ہے۔ پس اس موقع پر جو قافلہ بھی یہ سعادت پا رہا ہے کہ وہ صدی کے سر پر قافلہ بنے اس میں آپ شامل ہیں اور اس پہلو سے غیر معمولی اہمیت حاصل ہو چکی ہے۔ پس اس رنگ میں داخل ہوں سر جھکاتے ہوئے تقویٰ کے ساتھ اور اس ارادے کے ساتھ کہ جو کمزوریاں ہم دور کر سکے ہیں وہ اللہ کا فضل تھا جو ہم نہیں دور کر سکے وہ ہماری ہی اپنی شامت اعمال ہے ہم آئندہ اس کو پوری کوشش کے ساتھ ان بدیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے اور اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھیں کہ جو خدا کے ساتھ عہد کئے جاتے ہیں وہ پوچھے جاتے ہیں۔ کوئی آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ اچھا پھر ہم عہد ہی نہیں کرتے لیکن یہ ایسی بات نہیں ہے جو اس کے بس میں ہے۔ ایک عہد تو وہ ہے جو آج آپ کر رہے ہیں یا پہلے کر چکے ہیں یا کل کرنے والے ہوں گے کہ میں اپنی یہ کمزوری دور کروں گا۔ وہ بھی ایک عہد ہے اس کی بھی ایک اہمیت اور عظمت ہے لیکن ایک عہد بیعت ہے جو دراصل خدا تعالیٰ سے کیا جاتا ہے اور وہ عہد ہے جو اصل اور حقیقی عہد ہے جس کے اندر ساری نیکیوں کو اختیار کرنا شامل ہے اور ساری بدیوں کو ترک کر دینا شامل ہے۔ پس بظاہر آپ بالارادہ اس روحانی گیٹ سے داخل ہونے سے پہلے کوئی عہد خدا سے باندھیں یا نہ باندھیں اگر آپ مومنین کی جماعت میں شامل ہیں تو وہ عہد تو آپ باندھ چکے ہیں۔ اب آپ بے اختیار ہیں اس لئے یاد رکھیں کہ جو عہد خدا سے باندھا گیا ہے اس عہد کو نبھانا ہمارا فرض ہے۔ اس عہد کو نبھانے کی حتی المقدور کوشش کرنا ہم سب پر لازم ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ عہد جو ہے یہ مسؤل ہے۔ اس عہد کے متعلق تم ضرور پوچھے جاؤ گے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس عہد بیعت کی تجدید کی اس دور میں جس کا اسلام میں آغاز حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے سے ہوا تھا تو اُس میں یہ الفاظ رکھے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا اور میں اپنے تمام پچھلے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ ہر

قسم کے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ یہ جو بچنے کی کوشش کرتا رہوں گا ایک بہت ہی حکیمانہ کلام ہے۔ وہ اس لئے کہ اگر یہ عہد ہوتا کہ میں ہر قسم کے گناہوں سے بچوں گا تو یہ ایک ایسا عہد ہوتا جسے شاید قبول کرنے کی کسی میں بھی ہمت نہ ہوتی کیونکہ کون کہہ سکتا ہے کہ میں ہر قسم کے گناہوں سے ہمیشہ بچ جاؤں گا اور اگر ایسا کوئی عہد رکھا ہی نہ جاتا تو پھر گویا سب کو کھلی چھٹی ہو جاتی کہ پچھلے گناہوں کی بخششیں مانگنا ہمارا کام رہ گیا ہے گناہ کرتے چلے جائیں بخشش مانگتے چلے جائیں۔ یعنی وہی بات ہوتی کہ

ے رات پی زم زم پہ مے اور صبح دم
دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

(دیوان غالب صفحہ:۳۸۱)

جامِ احرام کے دھبے دھوتے چلے جائیں اور پھر رات کو مے بھی پیتے چلے جائیں اسی قسم کی ایک زندگی بنتی تو یہ دیکھئے کتنے خوبصورت الفاظ ہیں۔ کمزوروں کو حوصلہ دلانے والے اور صاحب عزم لوگوں کو ہمیشہ ان کا عہد سامنے رکھنے والے اور عظیم مقامات جن کی طرف انہوں نے آگے بڑھنا ہے وہ ان کے پیش نظر رکھنے والے ہیں۔ یہ عہد کیا ہے کہ میں تمام عمر جب تک میں زندہ رہوں گا گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر گناہوں سے بچنے کی انسان واقعۃً کوشش کرتا رہے تو خدا تعالیٰ ضرور توفیق عطا فرما دیتا ہے کہ وہ گناہوں سے بچ جائے لیکن بہت سے ایسے گناہ ہیں جن میں انسان گناہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور اس کا بس نہیں چلتا اور اچانک کبھی خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو روشنی ملے تو وہ جاگ اٹھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ ہاں میں کیا کر رہا ہوں ورنہ بسا اوقات وہ یہی سمجھتا ہے کہ میں گناہوں سے بچنے کی کوشش میں زندگی خرچ کر رہا ہوں۔ اس لئے یہ شعور بیدار کرنے کا وقت ہے۔ خوب اچھی طرح اپنے حالات پر غور کریں اور دیکھیں کہ کیا واقعی آپ کوشش کر رہے ہیں کہ نہیں کر رہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہزار مرتبہ انسان پر ایسے وقت آتے ہیں جب وہ مالی معاملات میں بددیانتی کی کوشش کر رہا ہوتا ہے اور باشعور طور پر اس کو علم نہیں ہوتا کہ میں یہ کر رہا ہوں اور کئی قسم کی دنیاوی لذّتوں کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے جانتا ہے کہ گناہ ہے خواہ چھوٹا گناہ ہے یا بڑا گناہ ہے مگر گناہ ضرور ہے اور اس کے باوجود وہ کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ غالب نے اپنی

زندگی کے حالات پر غور کرنے کے بعد جب اپنا جائزہ لیا تو اسی نتیجے تک پہنچا تھا کہ انسان دراصل جتنے گناہ کرسکتا ہے اس سے بہت زیادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو اس نے اس طرح باندھا کہ

نہ کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب! اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

(دیوان غالب صفحہ:۳۴۶)

اے خدا جو گناہ میں نے کئے ہیں جن کی تو مجھے سزا دینے والا ہے یہ تو کچھ بھی نہیں۔ نہ کردہ گناہوں کی حسرتیں اگر شامل کر لی جائیں تو بے انتہا گناہ بن جاتے ہیں اور یہ محض شاعری نہیں ہے یہ صاحب بصیرت کی گہری نگاہ ہے انسانی اعمال پر۔ غالب میں اگر بعض کمزوریاں نہ ہوتیں تو وہ خود کہتا ہے اور خود اس بات کا شعور رکھتا تھا کہ

یہ مسائل تصوف، یہ ترا بیان، غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

(دیوان غالب صفحہ:۵۰)

تو واقعۃً جب وہ یہ باتیں بیان کرتا ہے تو گہری سوچ اور فکر کے نتیجے میں اس میں بعض انسانی فطرت کے راز ہیں اور یہ محض شاعری نہیں ہے یہ مسائل تصوف ہیں۔ پس آپ بھی اپنی زندگیوں پر غور کر کے دیکھیں گے تو آپ حیران رہ جائیں گے یہ معلوم کر کے کہ ہم میں سے اکثر کی اکثر زندگی گناہوں کی حسرتوں اور تمناؤں میں کٹ گئی ہے اور ہم سمجھ یہ رہے ہیں کہ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ہم گناہ نہ کریں۔ جو لوگ بالارادہ کوشش کرتے ہیں ان کی کوششوں کو کامیاب کیا جاتا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے۔ حقیقت میں بندے کا کام ہی نہیں ہے کہ وہ بے گناہ اور معصوم ہو جائے اس کی ذمہ داری کوشش سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی اور اسی حد تک اس پر ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ پس اس روحانی عظیم وقت کے گیٹ میں سے جب ہم گزرنے والے ہیں تو اس پہلو سے بھی ہمیں اپنے حالات پر اپنے گردو پیش پر نظر ڈالنی چاہئے اور اپنی امنگوں کا بھی جائزہ لینا چاہئے، اپنی خواہشات کا جائزہ لینا چاہئے، اپنی حسرتوں کا جائزہ لینا چاہئے، روزمرہ کی زندگی میں جو طلب پیدا

ہوتی ہے اس کا جائزہ لینا چاہئے کیسی طلب ہے؟ اور دکھ نیکی نہ کرنے پر زیادہ ہوتا ہے کہ بدی نہ کرنے پر زیادہ ہوتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جوں جوں انسان کا شعور بڑھتا چلا جاتا ہے یہ نسبت بدلتی جاتی ہے۔ ایک لاعلم انسان جو غفلت کی حالت میں زندگی بسر کرتا ہے اس کو بسا اوقات گناہ نہ کر سکنے کا صدمہ زیادہ ہوتا ہے اور نیکی نہ کر سکنے کا صدمہ کم ہوتا ہے۔ بچے نماز نہیں پڑھتے اور صبح کی نماز میں نہیں اُٹھتے شاذ ہی ایسے ہوں گے جن کو صدمہ ہوا ہو لیکن جب بڑے ہونے شروع ہوتے ہیں جب شعور بیدار ہوتا ہے تو پھر رفتہ رفتہ احساس بڑھنے لگتا ہے پھر بعض لوگ دعاؤں کے خط بھی لکھنے لگ جاتے ہیں کہ اور تو نمازیں پڑھ لیتے ہیں لیکن صبح کے وقت آنکھ نہیں کھلتی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھی توفیق بخشے۔ پھر اور زیادہ شعور بیدار ہوتا ہے تو پھر اس کا غم لگ جاتا ہے پھر واضح طور پر توجہ پیدا نہیں ہوتی بلکہ واقعۃً غم لگ جاتا ہے اور جب غم لگتا ہے تو پھر خدا کی تقدیر ایسے لوگوں کی مدد کرتی ہے۔

ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ایک بزرگ کے پاس اس وقت شیطان آیا جب ان کی نیند بڑی گہری تھی اور بڑے مزے لے کر سو رہے تھے۔ اُٹھنے لگے عادتاً تہجد کے وقت جیسا کہ اُن کو عادت تھی مگر اُس وقت شیطان نے کچھ ایسا پھسلایا کہ ان کی دوبارہ آنکھ لگ گئی اور پھر سورج نکل آیا اور ان کو ہوش ہی کوئی نہیں تھی۔ تہجد کا تو کیا ذکر باوقت صبح کی نماز بھی نہیں پڑھ سکے۔ اس پر اتنا بڑا صدمہ محسوس کیا کہ سارا دن روتے رہے، ساری رات روتے روتے اُن کی آنکھ لگ گئی اور تھکے ہوئے نیند کے غلبے سے مجبور سوئے تھے لیکن اچانک انہوں نے آواز سنی کہ بھائی نماز کے لئے اُٹھو، نماز کے لئے اُٹھو۔ بھائی کا لفظ تو نہیں یہ تو ویسے محاورے سے نکل گیا لیکن یہ آواز سنی کہ نماز کے لئے اٹھو، نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ آنکھ کھلی دیکھا تو کوئی نہیں تھا۔ انہوں نے کہا تم کون ہو مجھے جگانے والے۔ اس نے کہا میں شیطان ہوں۔ انہوں نے کہا شیطان مجھے نماز کے لئے جگانے کے لئے آئے ہو۔ اس نے کہا میرا کام تو لوگوں کو دکھ دینا ہے اور نیکیوں سے محروم کرنا ہے۔ کل میں نے تمہیں ایک نماز سے محروم کیا تھا لیکن تمہاری گریہ وزاری کو خدا نے ایسا پسند فرمایا ہے کہ تمہارے کھاتے میں ہزاروں نمازیں لکھ دی گئیں تو میں تو نیکیوں سے محروم کرنے والا شیطان ہوں نیکیوں کی عادت ڈالنے والا تو نہیں ہو۔ نیکیوں کے اسباب بنانے والا تو نہیں ہوں اس لئے آج میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں

نماز سے محروم کبھی نہیں کرنا۔ تمہاری ایک نماز گئی تو ہزاروں نمازیں ملیں گی۔ پس یہ معرفت ہے جو جوں جوں ترقی کرتی چلی جاتی ہے نیکی سے ذاتی تعلق اور محبت بڑھتے چلے جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں پھر خدا تعالیٰ نیکیوں کی توفیق بڑھانا ہے اور جو نیکیاں نہ کرنے کی حسرتیں ہیں پھر ان کا ثواب ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارا خدا ایک بے انتہا رحم کرنے والا، بے انتہا بخشش کرنے والا، بار بار بخششیں کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا خدا ہے۔ یہ وہ خدا ہے جو ناکردہ گناہوں کی حسرتوں کے باوجود بھی سزا نہیں دیتا مگر یہی خدا ہمارا گواہ ہے کہ ناکردہ نیکیوں کی جزا ضرور دے دیتا ہے اگر ان کی حسرتیں رہ جائیں۔ تو وقت تھوڑا ہے ہم نیکیاں تو زیادہ نہیں کر سکتے مگر نیکیاں نہ کرنے کی حسرتیں لے کر اس گیٹ میں داخل ہوں گے۔ تو میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ وہ ایسا غفور رحیم خدا ہے اور بے انتہا رحم کرنے والا ہے کہ وہ آپ کی ساری زندگی برکتوں سے بھر دے گا اور ان نیکیوں کی بھی آپ کو جزا دے گا جن کی حسرتیں لے کر آپ اگلی صدی میں داخل ہو رہے ہوں گے۔ پس اپنی نیکیوں کی اُمنگوں کو بڑھا لیں، خواہشوں کو بڑھا لیں۔ یہ تمنائیں کریں کہ کاش ہماری اولاد ہماری ساری نیکیاں لے کر بڑی ہو اور ایک بھی بدی ہم ان کو ورثے کے طور پر نہ دیں اور اس کے لئے کوشش شروع کر دیں کیونکہ ان نیکیوں کی حسرتوں کو جزا ملا کرتی ہے جن کے لئے انسان کوشش ضرور کرتا ہے خواہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ کیونکہ فرضی باتیں خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوتیں۔ پس اس پہلو سے آپ اپنی اولاد، در اولاد، در اولاد، در اولاد کو شامل کر لیں اور یہ وصیت کرنی شروع کریں اپنی اولاد کو جس طرح حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ اپنی اولاد کو وصیت کیا کرتے تھے کہ دیکھو تم آئندہ وصیت کرتے چلے جاؤ کہ ان بدیوں سے بچنا ہے اور ان نیکیوں کو اختیار کرنا ہے اور توحید کے سوا اور کوئی مذہب اختیار نہیں کرنا۔ تو اس طرح آئندہ ساری نسل تک کم سے کم ایک سو سال تک آپ کو ان سب نیکیوں کی جزا ملتی رہے گی جن کی آپ حسرتیں رکھتے ہیں کہ کاش ہم خود ان نیکیوں کو قائم کر سکتے۔ چونکہ آپ سنجیدہ ہیں، چونکہ آپ مخلص ہیں، چونکہ آپ متقی ہیں۔ واقعۃً یہ چاہتے ہیں اس لئے ان ناکردہ نیکیوں کی آپ کو جزا ضرور ملے گی۔ پس جب یہ سودے ہو رہے ہیں تو پھر اپنی مانگ کو بڑھائیں اور اونچا کریں۔ بڑے آدمیوں سے چھوٹی چیز نہیں مانگنی چاہئے اور خدا تعالیٰ کی رحمت کا تو کوئی حساب ہی نہیں ہے۔ اس کی تو کوئی حد نہیں ہے اس لئے اب وقت کے لحاظ سے بہت

بڑے اعمال کا تو موقع نہیں ہے لیکن بہت بڑی تمناؤں اور نیک تمناؤں کا موقع ضرور ہے۔ خدا کرے کہ ہماری تمناؤں کا بھی سر بلند ہو اور ہمارے اعمال کا بھی سر بلند ہو جب ہم اگلی صدی میں داخل ہو رہے ہوں اور ہم اور ہماری نسلیں اور پھر اُن کی نسلیں اور پھر اُن کی نسلیں ہمیشہ ہمیش کے لئے نیکیوں کے جھنڈے بلند کرنے والے ہوں۔

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور نے فرمایا:

اب چونکہ مغرب کی نماز ذرا پیچھے ہٹ گئی ہے وقت کے لحاظ سے اس لئے آج تو انشاء اللہ حسب سابق جمعہ کے ساتھ عصر کی نماز جمع ہوگی لیکن آئندہ سے جمعہ کی نماز الگ رہے گی اور عصر کی نماز بعد میں الگ وقت پر پڑھی جائے گی۔ یہ اس لئے ضروری ہے ویسے تو دور دور سے آنے والے ہیں اس رعایت سے جمع بھی کی جاسکتی ہے لیکن چونکہ ان ملکوں میں عادتیں پڑ گئی ہیں لوگوں کو جمع کرنے کی اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہم حتی المقدور الگ الگ نمازیں پڑھا کریں۔